مطبوعات

پاکستانی کلچر تالیف: جناب جمیل جالبی صاحب ۔شائع کردہ: مشتاق بک ڈپو نزد اردو کالج، تنسیلڈن روڈ، کراچی ۱؎ ۔قیمت آٹھ روپے ۔صفحات ۲۴۴۔

قیامِ پاکستان کے بعد وہ چند کتابیں جنہوں نے پامال موضوعات سے ہٹ کر اس ملک کے سوچنے سمجھنے والوں کو دعوتِ فکر دی ہے، اُن میں زیرِ تبصرہ کتاب خاص اہمیت رکھتی ہے ہمیں فاضل مصنف کے بہت سے افکار و نظریات سے اختلاف ہے لیکن ہم اس کے ساتھ اس حقیقت کے بھی معترف ہیں کہ انہوں نے اپنے خیالات کو بڑی جرأت کے ساتھ پیش کیا ہے خصوصاً اس کا وہ حصہ جس میں انہوں نے ذہنی آزادی کا ذکر کیا ہے بڑا قابلِ قدر ہے۔

یہ کتاب چونکہ وقت کے ایک اہم مسئلے سے تعلق رکھتی ہے اس لیے اس پر ہم ذرا تفصیل کے ساتھ اظہارِ خیال کرتے ہیں۔

فاضل مصنف شعوری یا غیر شعوری طور پر ہیگل اور مارکس سے متاثر ہیں۔کتاب کے آغاز میں انہوں نے ہمیں بتایا ہے کہ افکار و نظریات میں ٹھہراؤ نہیں ہوتا اور وہ برابر ارتقائی منازل طے کرتے رہتے ہیں۔پھر انہوں نے اس ارتقاء کے محرکات کی نشاندہی بھی کی ہے۔اُن کا حاصلِ مطالعہ یہ ہے کہ "توانائی کی تسخیر و تصرف انسانی کلچر کی ترقی کا بنیادی عمل ہے۔توانائی کی تسخیر و تصرف کارکردگی کے ساتھ آلات کے ذریعہ ظاہر ہوتے ہیں اور آلات کلچر کو متاثر و متشکل کرتے ہیں جیسے آلات ہونگے اسی طرح کا کلچر ہوگا (ص ۲۰۲)

یہ نظریہ مارکسی طرزِ فکر کا چربہ ہے۔تاریخ کے اس جبری ارتقاء کو بنیاد بنا کر انہوں نے مسلم سوسائٹی، ملتِ اسلامیہ کی تاریخ اور اسلام پر بحث کی ہے۔اس ضمن میں ان کا خیال یہ ہے

کہ مسلم معاشرے نے تاریخ کے عملی ارتقاء کو ہر منزل پر نظر انداز نہ کیا اور اس بنا پر وہ انحطاط کا شکار ہوا۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کی ہر اُس تحریک کو بڑی شدت سے کوسا ہے جس نے انہیں معاشرتی اور فکر و نظر کی تبدیلیوں کو قبول کرنے میں حزم و احتیاط کا مشورہ دیا ہے۔ فاضل مصنف اس بات کے سختی سے قائل ہیں کہ مسلمانوں کو "عصری روح" (AGE SPRIT) سے نبرد آزما ہونے کے بجائے اُس کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اپنے اسی اساسی نظریہ کے تحت انہوں نے مختلف تحریکات مثلاً دیوبند، علی گڑھ، طلوعِ اسلام اور جماعت اسلامی کا جائزہ لیا ہے۔ اُن کی نظر میں مسلمانوں کے لیے سب سے زیادہ مفید علی گڑھ کی تحریک ہے جس کے بانی سرسید نے مسلمانوں کو مغربی تہذیب کے نئے اُبھرتے ہوئے تقاضوں سے نہ صرف آشنا کیا بلکہ انہیں ان سے ہم آہنگ کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ اسی سلسلہ میں انہوں نے مدیر ترجمان القرآن کے افکار و نظریات پر بھی تنقید کی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

> "مولانا مودودی زندگی کو ارتقائی قوت نہیں سمجھتے۔ ان کا نظریہ زمان ناقص ہے۔ وہ سکوتی تصورِ کائنات و حیات کے قائل ہیں۔ اسی سبب سے وہ زندگی اور معاشرے کو ایک مکان سے مشابہ سمجھتے ہیں نہ کہ درخت سے۔ درخت ایک نامیاتی وجود ہے جو نمو پاتا ہے اور اس کا تمام تغیر اس کے اندر سے ظہور پذیر ہوتا ہے جب کہ اس کے مقابلے پر مکان ایک غیر نامیاتی وجود ہے اور اس کا تغیر خارجی محرکات کا مرہونِ منت ہے۔ مولانا مودودی جب اس نظریہ کو اسلامی تاریخ پر منطبق کرتے ہیں تو اس نظریہ پر پہنچتے ہیں کہ خلافتِ راشدہ کا دور واپس لایا جا سکتا ہے اور اسی نمونے پر ایک اسلامی معاشرے کی تعمیر ہو سکتی ہے۔ ان کے نزدیک اسلام کی تیرہ سو سال کی تاریخ میں اندرونی طور پر کوئی نشو و نما نہیں ہوئی ہے۔ اسی بنا پر وہ خلافتِ راشدہ کے

بعد کے تاریخی ادوار کو اسلامی تاریخ سے نہایت آسانی کے ساتھ حذف کر دیتے ہیں اور اسے اسلام کے بجائے صرف مسلمانوں کی تاریخ قرار دیتے ہیں۔ بظاہر اُن کا نظریہ اجتہاد زندگی کے تغیر کو تسلیم کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے مگر اس کی اصل حقیقت صرف اتنی ہے کہ وہ زندگی کو بھی ایک دیئے ہوئے نقشے کے مطابق ایک مکان کی طرح متغیر اور متبدل کر سکتے ہیں۔ اُن کا تجربہ بظاہر عقلی معلوم ہونے کے باوجود غلط مفروضات پر مبنی ہے۔ (ص ۱۸۵-۱۸۶)

یہ اقتباس ذرا لمبا ہو گیا ہے لیکن اسے ہم نے اس لیے نقل کیا ہے کہ جس طرزِ فکر کو بنیاد ٹھہرا کر فاضل مصنف نے مولانا مودودی کے انکار کو غلط قرار دیا ہے اسی میں سب سے بڑا منطقی مغالطہ پایا جاتا ہے۔ یا تو فاضل مصنف کو کھل کر یہ بات تسلیم کر لینی چاہیے کہ اتباع کے لائق صرف عصری روح اور اس کے تقاضے ہیں اور ہر وہ چیز جو ماضی سے تعلق رکھتی ہے بیکار ہے یا انہیں یہ بات ماننی چاہیے کہ ہمارے پاس دین کی صورت میں ایسی تعلیمات یا ایسی اقدار حیات ہیں جو ناقابلِ تغیر ہیں اور جن کے مطابق ہمیں عصری تبدیلیوں کو رد یا قبول کرنا چاہیے مولانا مودودی کے طرزِ فکر سے آپ اختلاف کر سکتے ہیں مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے اور اس میں کوئی منطقی مغالطہ نہیں کہ وہ اسلام کی ازلی و ابدی تعلیمات پر ایمان رکھتے ہیں اور انہیں ہی معیارِ حق سمجھ کر حالات و واقعات کی قدر و قیمت کا تعین کرتے ہیں اُن کا ایمان یہ ہے کہ اسلامی اقدار ناقابلِ تغیر ہیں اور ان میں کسی قسم کی تبدیلی کرنا غلط ہے۔ انسان کی خارجی زندگی میں بلاشبہ تغیرات ہوتے رہتے ہیں لیکن ایک صحت مند زندگی کے حفظ و بقا کے لیے یہ ضروری ہے کہ اللہ کے دین کے مطابق انہیں رد یا قبول کیا جائے۔ اگر ہم اس صحیح طرزِ فکر کو نظرانداز کر کے دین کے بارے میں کوئی دوسرا طرزِ فکر اختیار کریں گے تو فکر و عمل کی بہت سی الجھنوں میں اپنے آپ کو گرفتار پائیں گے۔

اب ذرا فاضل مصنف کے نظریہ کا جائزہ لیجیے۔ وہ ایک طرف اسلامی تعلیمات کی

عظمت کے قائل ہیں اور مسلمانوں کو اس بات کا مشورہ دیتے ہیں کہ انہیں کلچر کی تشکیل میں قوت و طاقت کے اس لازوال خزانے سے فائدہ اٹھانا چاہیے مگر دوسری طرف اس امر کی بھی تلقین کرتے ہیں کہ اسلام کے اندر عصری تقاضوں کے مطابق تغیر ضروری ہے تاکہ مسلمان فکری اور عملی انتشار سے بچ جائیں۔ بظاہر یہ نظریہ بڑا دلکش معلوم ہوتا ہے مگر سوال یہ ہے کہ اُن کے نزدیک اصل اور فیصلہ کُن چیز کیا ہے، اسلام یا عصری تقاضے؟ اسلام کوئی سیال شئے نہیں جو ہر سانچے میں بآسانی ڈھل جاتے۔ وہ اپنا ایک خاص نظامِ فکر اور ایک متعین اسلوبِ حیات رکھتا ہے اور اس بنا پر بدلتے ہوئے حالات و واقعات یا نئے نئے اُبھرنے والے مسائل کو ایک خاص زاویۂ نگاہ سے دیکھتا ہے۔ آپ اگر اسلام کی اس حیثیت کے قائل ہیں تو لازمی طور پر اُن چیزوں کی مخالفت کرنا ہوگی جو خواہ عصری تقاضوں کے لحاظ سے کتنی ضروری ہوں مگر دینی اعتبار سے صحیح نہیں۔ اور اس کے برعکس اگر آپ کی نگاہ میں عصری تقاضے ہی فیصلہ کُن اہمیت کے حامل ہیں تو پھر اسلام کی اہمیت ماضی کی ایک مقدس یادگار کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ اس کے اندر تغیر و تبدل کرنے کے بجائے بہتر یہی ہے کہ اسے یکسر نظر انداز کر کے آگے بڑھا جائے۔ ہمارے نزدیک فاضل مصنف کے اساسی تصورات میں یہی سب سے بڑا منطقی مغالطہ ہے۔ (ع ۔ ح)

اصح السیر فی ہدی خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم | تالیف: جناب حکیم ابوالبرکات عبدالرؤف صاحب داناپوری۔ ناشر: نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی۔ قیمت: دس روپیہ۔ ضخامت: ۶۵۶ صفحات۔

سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اردو زبان میں اب تک جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں، زیرِ نظر کتاب ان سب میں اختصار، استیعاب اور استناد کے اعتبار سے ممتاز ہے۔ یہ اس لحاظ سے بھی اپنا ایک منفرد مقام رکھتی ہے کہ فاضل مؤلف نے عام سیرت نگاروں سے ہٹ کر اس کتاب میں ایک نئی ترتیب قائم کی ہے یعنی سیرت کو بلحاظ سنین مرتب کرنے کے بجائے۔ دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ حصہ اوّل میں از ولادت تا وفات صرف واقعات درج کر دیئے گئے ہیں۔